

tsurdu.blogspot.com

خون کی سیج

itsurdu.blogspot.com

محبوب الہی مخمور

tsurdu.blogspot.com

وہ خبر بھی سرسری ہی تھی جیسے آج کل کے ایونٹ
اخبارات میں غصے دلچسپی پیدا کرنے کے لیے ایسی خبروں کو
نمایاں کر کے شائع کر دیا جاتا ہے۔ چوں کہ میں اس تمام واقعہ کا
چشم دید گواہ بھی ہوں اس لیے میری تفصیلات یقیناً اخباری
تفصیلات سے مختلف ہوں گی اور اس میں سچائی کا عکس آپ کو
ضرور دکھائی دے گا۔ میں اس قتل کا آغاز بیان کرنے سے قبل آپ
کو تمام تفصیلات کسی کہانی کی صورت بیان کر دینا چاہتا
ہوں۔

مجیب احمد ایک متوسط گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا
گھر اندہ تقسیم ہندوستان کے ان ہزاروں ستم گزیہ و خانہ دانوں میں
سے ایک تھا جنہوں نے سرحد پار کرنے کی کوشش میں اپنی
ماؤں بہنوں کو بے آبرو ہوتے دیکھا امر دوں کو سینے پر بھالے
کھاتے دیکھا ہے۔

جب مجیب احمد پاکستان آیا تو اس کی عمر صرف دو ماہ
تھی۔ شیر خوار ہی کے اس دور کے متعلق زیادہ کچھ نہ جانتا اگر ماس
اسے گود میں بلکے روئے ہوئے لور یوں کے بجائے بلواؤں کی
ستم کاریاں نہ بتاتی۔ وہ اپنی ماں کے سینے سے چٹا پاکستان
پہنچا۔ ماں نے اس کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ اس کی تعلیم و
ترتیب میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ حالانکہ اس کی جوانی کی
ابھی شروعات تھی۔ شوہر کے شہید ہو جانے کے بعد وہ اپنی
زندگی کے لیے کوئی سانچہ یا آسانی تلاش کر سکتی تھی مگر اس

خون کی سیج

محبوب الہی مخمور

MEHBOOB ELAHI MAKHMOOR

اگر آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے تو مجھے یقین ہے کہ آج
سے پندرہ سال پہلے چھپنے والی ایک خبر بھی تک آپ کے ذہنوں
میں ہوگی۔

”سہاگ کی پہلی رات دوشیزہ کا بے دردی سے قتل۔“

یہ خبر کراچی کے ایک معروف روزنامے میں معمولی کے ساتھ
مجھی تھی شاید اس کی تفصیلات آپ کے علم میں نہ ہوں یوں بھی
اخبار والے معاملے کی گہرائی تک نہیں جاتے۔ تھانے سے جو
رپورٹ ملتی ہے اسی پر اکتفا کر کے خبر چھاپ دیتے ہیں۔

تیسرے سال جب نو بہن اپنی انتہا تک پہنچ گئی تو انہوں نے بیوی کو طلاق دے دی۔ ان تین سالوں کے دوران میں ان کی کوئی اولاد بھی نہ تھی۔ اس لیے پہلی بیوی کو چھوڑنا ان کے لیے کسی پریشانی کا سبب نہیں بنا۔ اس طلاق کے معاملے میں پہلی بیوی چیخ پش رہی۔ بعد میں اس کی طلاق لینے کی خواہش بھی سامنے آ گئی۔ سیٹھ جبار کی بیوی راحت خاں زاد سے عہدہ پیاں کر چکی تھی۔ محبت کی غفلت نے اسے جین سے دور ہرنے دیا یوں یہ بات جھگڑے سے ہوتے ہوئے علیحدگی تک جا پہنچی۔

سیٹھ جبار نے دوسری شادی اپنی مرضی سے کی۔ وہ ان کے دوست کریم خان کی بہن شاز نے تھی۔ شاز یہ گویا وہ چھی لکھی نہ تھی مگر گھر کے کام کاج اور دیگر معاملات میں بہت سی پرہیزگار تھیں اور کیوں سے اچھی تھی۔ شاز یہ نے سیٹھ جبار کو اتنی محبت اور توجہ دی کہ وہ پہلی بیوی کے دیے ہوئے تمام دکھ بھول گئے۔ زندگی نئے انداز سے اپنا سفر شروع کرنے لگی۔

شادی کے پانچویں سال ان کے ہاں پہلی بیٹی پیدا ہوئی سیٹھ جبار نے بھی یہ نہ سوچا کہ لڑکا پیدا ہو یا لڑکی۔ انہوں نے لڑکی کو خدا کی رحمت سمجھا اور گلے لگا لیا۔ اس کے بعد ان کی زمین میں فصل نہیں آئی۔ ڈاکٹروں نے چیک اپ کے بعد دونوں کو نالز قرار دیا۔ یوں وہ اسے قدرت کی رضا سمجھ کر خاموش ہو گئے۔ نہ کبھی دل میں پھر ایسی خواہش جاگی نہ پھر کسی ڈاکٹر حکیم کا رخ کیا۔ قدرت کو یہی منظور تھا۔ انہوں نے اسے رضا ئے

نے عجیب احمد کی بہتر تربیت کے پیش نظر خود کو بچائیوں کے سپرد کیا اور بیٹے کی چاہت میں زندگی کا طویل سفر تھیں وہ سوچ میں کانٹے کا عہد کر لیا۔

وقت کچھوے کی پال چتا رہا۔ ماہ و سال گزرتے رہے۔ جب عجیب پندرہ سال کا ہوا تو ماں نے اپنا سفر ختم کر دیا۔ ایک شام وہ بستر پر ایسی سوئی کہ پھر نہ اٹھ سکی۔ عجیب احمد دنیا میں تجارہ لگایا تھا مگر اس جہاں میں ابھی اچھے لوگوں کی کمی نہیں۔ عجیب کی ماں جس سیٹھ کے پاس ملازمت تھی اس سیٹھ نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ اب سیٹھ کے گھر عجیب نے وہ تمام کام سنبھالا جو اس کی ماں انجام دیا کرتی تھی مگر سیٹھ جبار علی جلد ہی بھابھ گیا کہ عجیب میں ذہانت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ بے پناہ تیز اور ہوشیار لڑکا تھا۔ ہر کام با آسانی اور جلد سمجھ جاتا تھا۔ سیٹھ کی کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ ایک بیٹی تھی جو عجیب سے شاید ڈیڑھ دو سال بڑی تھی۔ اس کے علاوہ گھر میں ایک بوڑھی ملازمتی جو شاید زندگی کی آخری سرحدوں پر کھڑی موت کے پرانے کا انتظار کر رہی تھی سیٹھ جبار کا شہر کے صحرانہ وادے میں پھریل پھریل تھا۔ لاکھوں کی آمدنی تھی اور کھانے والے صرف دو افراد۔

سیٹھ جبار کے ساتھ بھی عجیب المیہ ہوا تھا۔ اس کی پہلی شادی خاندان میں والدین کی رضامندی اور باہمی مشاورت سے طے پائی تھی۔ نہ چائے کیا بات ہوئی کہ دونوں میں جھگڑا نہ لگی۔

پڑھنے میں تیزی یوں ان دونوں کے درمیان استادشاگرد کا رشتہ بھی قائم ہو گیا۔

زندگی اسی خاموشی کے ساتھ گزرتی رہی حالات یکساں رہے اور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا۔

اب مجیب احمد بنی ایس ہی کر رہا تھا جبکہ مریم ایم اے جرنلزم کر رہی تھی۔

انہی دنوں سیٹھ جبار کا اپنے پانچ بھائیوں سے کسی بات پر جھگڑا ہو گیا جہاں گھبرانے کے برس میں بڑا مدم کاٹنے دار تھا۔ وہ ان کا سگا خالہ زاد تھا۔ جھگڑے کی وجہ مریم تھی جی بھائی گھر کا ایک ہی بیٹا تھا وقاص اور سیٹھ جبار کی بھی ایک ہی لڑکی تھی مریم۔ وہ اپنے بیٹے کے لیے مریم کا رشتہ مانگتا جا رہا تھا۔

مگر سیٹھ جبار جانتے تھے کہ وقاص ایک آوارہ اور بڑے باپ کا بھڑا ہوا لڑکا ہے۔ انہوں نے سیٹھ جہانگیر سے کہا بھی کہ پہلے وقاص کو کچھ کرنے اور کچھ بن جانے دو رشتے مانتے بھی ہو ہی جائیں گے۔ مگر جہانگیر بھنڈے کا یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ فی الحال مگنی تو کرسی دی جائے۔ پھر وقاص بھی کوئی نیکلا نیلا امیر باپ کا مالدار لکھنؤ یا ممبئی لاکھوں کی جائیداد کا مالک ہے۔ یہ بات سیٹھ جبار کو کوکھ لڑکے کے محض والدین کی چھوٹی ہوئی دولت کو چاٹنے رہیں اور خود کچھ نہ کریں۔ انہوں نے جہانگیر کی بات کو رد کر دیا۔ جہانگیر کے لیے یہ انکا بڑا غمیر متوقع تھا اس کا خیال تھا کہ سیٹھ جبار اس رشتے کے معاملے میں

الٹی کچھ کر قبول کر لیا۔ انہوں نے پوری توجہ اپنی بیٹی مریم پر دی۔ مریم بے انتہا خوبصورت اور مصوم لڑکی تھی۔ دھیما لہجہ اور چمکتی آنکھیں اس کے حسن کو چار چاند لگاتی تھیں۔

شادی کا تھا ریس سال سیٹھ جبار کی دوسری بیوی ایسی پیار ہوئی کہ پھر بستر سے نہ اٹھ سکی۔ ڈاکٹر اسپتال میں بیکم کسی کو نہ چھوڑا مگر ان کی پیاری کوئی نہ چکڑ سا۔ یوں ایک

دن شادی بھی خاموشی کے ساتھ دوسری دنیا سدھا گئی۔ سیٹھ جبار پھر تنہا رہ گئے۔ اس وقت مریم کی عمر بارہ سال تھی اور رشتے داروں نے مشورہ دیا کہ شادی اور کرلیں۔ لڑکی جوان ہو رہی ہے اسے گھر میں کسی عورت کی ضرورت پڑے گی۔ مگر سیٹھ

جبار نے تیسری شادی سے انکار کر دیا۔ انہیں اپنی دوسری بیوی شادی سے بے پناہ محبت تھی انہوں نے اپنی خواہش کو محبت کے نام پر قربان کر دیا اور باقی عمر تنہا گزارنے کا فیصلہ کر لیا۔ جہاں تک مریم کی تنہائی کا تعلق تھا تو اس کے لیے ان کے گھر میں پہلے ہی ایک بوڑھی ملازمہ موجود تھی سیٹھ جبار نے اس کے بڑھاپے کے پیش نظر ایک جوان عورت کا بندوبست بھی کر دیا۔

یوں مجیب احمد کی ماں کو اس گھر میں ملازمت مل گئی۔ پھر یہ ملازمت چلتے چلتے خود مجیب احمد تک پہنچ گئی۔

سیٹھ جبار نے مجیب کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اسے اسکول میں داخل کر دیا۔ اسکول کے بعد وہ جو سہریاتی رہ جاتی وہ مریم پوری کر دیتی۔ مریم اس سے دو سال آگے تھی وہ بھی

ایڈورٹنگ ایجنسی کھولی جائے۔ سیٹھ جبار کا اس سلسلے میں کوئی تجربہ نہ تھا مگر مریم نے بتایا کہ اس کے ایک پروفیسر اس سلسلے میں اس کی مدد کرنے کو تیار ہیں۔

مریم نے جلد ہی پروفیسر ترمذی کو سیٹھ جبار کے رویہ و کردار پر و فیئر ترمذی اور ترمذی عمر کے تھے اس لیے ان سے مریم کے معاملے میں دلچسپی کو کوئی رخ نہیں دیا جاسکتا تھا۔ تھوڑی سی گفت و شنید کے بعد سیٹھ جبار نے ایڈورٹنگ ایجنسی کھولنے کا فیصلہ کر لیا۔ جلد ہی اس سلسلے میں کام شروع ہو گیا۔

چند ہی ماہ بعد وکیل مریم اور ترمذی کی بیاہر گئی تھی۔ مریم اور پروفیسر ترمذی نے بھرپور توجہ اور لگن کے ساتھ کام کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے معروف اشتہاری اداروں کے کلائنٹس کو ڈرا کر اپنی ایجنسی میں شامل کر لیا۔

اشتہار دہلوں کو بچھو لینے والے چند مناظر اور جملوں کا کھیل ہے اور مریم اس کھیل میں خوب ماہر تھی۔ پروفیسر ترمذی نے بھی بغیر کسی جھجکے اور استائش کے اپنی ایجنسی کے لیے کام کیا۔

مجیب جو شروع میں اس میدان میں اناڑی دیکھائی دیتا تھا جلد ہی مشاق ہو گیا۔

تھوڑے عرصے بعد جب پروفیسر ترمذی نے دیکھا کہ مریم اور مجیب اب اس کام کو سنبھال لیں گے تو وہ اپنی خوشی کے ساتھ الگ ہو گئے۔ سیٹھ جبار نے انہیں ان کی محنت کا صلہ دینا چاہا

کسی پس و پیش سے کام نہیں لیا۔ ان کے انکار کے بعد جبار گھر کی تمام امیدوں پر پانی بھر گیا۔ وہ غصے سے بھر گیا۔

بانت بکھرا رہے شروع ہوئی اور کاروباری معاملے تک آ پہنچی آٹا ناٹا فیصلہ کر لیا گیا اور دونوں پانچواں لگ ہو گئے۔ سیٹھ جبار نے پیٹرول پمپ ان کے حوالے کیا اور اپنے حصے کی رقم لے کر الگ ہو گئے۔ حصے کی رقم بھی معمولی تھی۔ انہیں اس علیحدگی سے کوئی پریشا نہ ہوئی سوائے اس تعلق کے جس کا اب خاتمہ ہو گیا تھا۔

انہوں نے صرف دلیوری کا دیکھنا نہ لے لیے جبار گھر کو گھر آئے کی دعوت دی تاکہ وہ ٹھنڈے دل کے ساتھ ایک بار پھر اس معاملے پر غور و خوض کرے مگر اسے نہ آنا تھا نہ آیا۔ یہ تعلق

ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ سیٹھ جبار نے کاروبار سے علیحدگی کے بعد دوبارہ اپنی رقم کو کسی کاروبار میں لگانے کا سوچا مگر

وقتیں نہیں کر پا رہے تھے کہ کون سے کاروبار میں ہاتھ ڈالا جائے۔ رقم اتنی خطیر تھی کہ وہ اسے کہیں بھی انویسٹ کر کے

گھر بیٹھے منافع کما سکتے تھے مگر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھنا انہیں شروع دن سے ہی ناپسند تھا۔ انہوں نے مجیب اور مریم سے اس

موضوع پر مشورہ مانگا۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ مجیب کو بھی اپنی اولاد ہی کی طرح سمجھتے تھے۔ اس لیے گھر کا کوئی معاملہ ہو

وہ اسے ضرور شامل رکھتے۔

مریم ایم اے جرنلزم کر چکی تھی۔ یہ اس کا شعبہ تھا اور وہ دین بھی بہت تھی اس لیے اس نے مشورہ دیا کہ کوئی

تھا کہ یوں بیٹھے بٹھائے اس کی زندگی سنو رہا ہے مگر سادگی اور
اکسار شروع سے اس کی طبیعت کا حصہ تھا۔ شادی کے بعد وہ
اور بھی ذمہ داری ہو گیا اس نے کبھی یہ نہ سوچا کہ اب وہ لاکھوں
کی جائیداد کا تہاوار ہے نہ کبھی کوئی کمزور خیال اس کے
دل میں آیا۔

دفتر میں انہوں نے اسٹاف بڑھالیا تھا اس لیے صرف وہاں اس کی
موجودگی ہی ضروری تھی ورنہ اس نے جو لوگ وہاں رکھے تھے وہ
تمام ہی تجربہ کار و حقیقی لوگ تھے۔

مجیب نے شادی کے بلع دم مریم کو گھر بیٹھ کر صرف گھر
داری سنبھالنے کا مشورہ دیا۔ باوجود اس کے کہ مریم پر بھی کبھی
تجربہ کاروں کی زندگی سے بھی واقف تھی۔ اشتہاری انجینیئر اس
کے اپنے ہاتھوں تکمیل پائی تھی اس نے شریف اور شرقی لوگوں
کی طرح شوہر کے سامنے سر تسلیم خم کر لیا۔ نہ اس نے یہ سوچا
کہ مجیب ہماری ملازمہ کا بیٹا ہے۔ اسے اس کی اوقات میں رکھا
جائے، کبھی اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ وہ اپنے دبا کر رکھے۔
وہ تو صرف اتنا چاہتی تھی کہ مجیب اس کی زندگی کا مالک
ہے وہ اپنے شوہر کے ایک اشارے پر جان قربان کر دینے کے لیے تیار
تھی۔ مجیب اپنی بیوی سے بہت خوش تھا وہ حقیقی معنوں میں
اس کی شریک حیات تھی۔ سچی ساتھی تھی۔ مریم نے مجیب کو
اتنی محبت اور توجہ دی کہ وہ اس کا گرویدہ ہو گیا۔
سیٹھ جبار بھی دفتر میں مجیب کے ساتھ موجود رہتے۔

مگر انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں نے پوچھا لگایا ہے جو
اس کی مسلسل آبیاری کرے گا وہی اس کا چھل کھانے کا حق
رکھتا ہے۔

سیٹھ جبار نے جب حالات سازگار دیکھے تو انہوں نے بھی دفتر
میں بیٹھنا شروع کر دیا۔ دن پوچھنے لگے اڑتے رہے۔

سیٹھ جبار کی عرابی ان کی طرف تھی اور وہ جانتے تھے
کہ ان کی میں رونق و خطرہ ایک دم تک بڑھ جاتی ہے۔ انہوں نے مریم
کی شادی کے لیے اس سے پہلے بھی کئی بار بات کی تھی مگر
آفس کے معاملات سنبھالنے کے بعد اس نے شاید شادی کو
فراموش ہی کر دیا تھا۔ مگر اب جبکہ وہ خود رفتہ رفتہ موت کی
طرف بڑھ رہے تھے تو انہوں نے مریم کی شادی کے معاملے میں دو
نوٹ فیصلہ کر لیا۔ انہوں نے مریم سے اس کی پسند پوچھی۔ اس
نے شرقی لوگوں کی طرح سر جھکا دیا۔ تب انہوں نے اسے
مجیب کی پناہ میں دینے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ فیصلہ دونوں کے حق
میں بہتر ہوا۔ دونوں بچپن سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ عادات و
مزاج سے واقف تھے۔ پھر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے پیار
کا جذبہ موجود تھا۔

اس فیصلے کے چند ہی دنوں بعد مریم مجیب کی بیوی بن
گئی۔ سیٹھ جبار کی یہ خواہش تھی کہ ان کی بیوی ان سے دور نہ
ہو۔ یوں ان کی خواہش بھی پوری ہو گئی۔ شادی کے بعد مجیب
کی زندگی میں عجیب انقلاب آیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ

شام کو وہ دونوں ساتھ ہی گھر آئے۔ مریم دونوں کی منتظر ہوئی جب سے اس نے گھر سنبھالا تھا درود پڑھا رکھی روئیں کچھ اور بڑھ گئی تھیں یہ حقیقت ہے کہ اگر عورت کی دلچسپی رہے اور وہ اپنے گھر سے پیار کرے تو دیا رو در پور لے لگتے ہیں۔

وہ دونوں جب بھی گھر میں قدم رکھتے تو انہیں گھر میں آنے کے بعد بے پناہ اطمینان کا احساس ملتا سیٹھ جبار خوش تھے کیونکہ وہ دونوں ایک دوسرے کا بے پناہ خیال رکھتے ہیں۔ چھوٹے بڑے ہر معاملے میں ایک دوسرے کو شامل کرتے ہیں۔

ایک شام جب حبیب اور سیٹھ جبار ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک چائیکارے میں سیٹھ جبار پر دل کا دورہ پڑا یہ تو اچھا ہوا گاڑی حبیب ڈرائیو کر رہا تھا درود دونوں کی زندگی خطرے میں پڑ سکتی تھی حبیب نے گھبرا کر انہیں دیکھا اور دھڑکوں کو سمجھوس کیا۔ ان میں زندگی کی بھرپور رمت تھی۔ اس نے گھر جانے کے بجائے اپنا رخ سیدھا ہسپتال کی طرف کر دیا۔

ذرا دیر بعد وہ ہسپتال میں موجود تھا۔ اس نے سب سے پہلے فون کر کے مریم کو اطلاع دی۔ مریم تو پاگل ہو گئی فوراً ہسپتال پہنچی۔ اس وقت تک ڈاکٹر بتا چکے تھے کہ پریشانی والی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اب وہ ٹھیک ہیں۔ ان کی خبریت کی اطلاع ملی تو دونوں کی جان میں آئی۔

سیٹھ جبار و دونوں ہسپتال میں رہ کر واپس گھر آ گئے مگر اس

شرط پر کہ وہ گھر پر عمل آرام کریں گے۔ مریم نے بھی انہیں سختی سے منع کر دیا کہ جب تک ان کی طبیعت اچھی طرح ٹھیک نہیں ہو جاتی وہ کبھی نہیں جائیں گے۔

جلدی وہ دوبارہ صحت یاب ہو گئے۔ اور معمولات زندگی پھر سے پرانی روش پر آ گئے۔

ان دنوں گرمیوں کے موسم کا آغاز ہونے والا تھا۔ ایڈورڈا نزلہ جگ ابھنی میں ٹھنڈے شرابات اور آکس کریم وغیرہ کے لیے پارٹیوں کا رش بڑھ رہا تھا۔ چونکہ بنی کم پین شروع ہونے والی تھی اس لیے حبیب کو ایک لمحے کی بھی فرصت میسر نہ آتی تھی۔ اکثر دفتر سے بھی دیر سے آنے لگا۔

سیٹھ جبار تو اپنے وقت پر گھر کے لیے نکل جاتے مگر وہ پہلے اپنے کام نمٹاتا جب گھر کا رخ کرتا۔

جوں جوں مہرگز ررتی تھی سیٹھ جبار بھی تھک کر ہانپتے نظر آنے لگتے تھے۔ تبھی ایک دن مریم نے انہیں دفتر جانے سے روک دیا۔

”بس ڈیڈی بہت ہو گیا کام! اب آپ گھر میں آرام کریں اپنی خدمت کروائیں تاکہ میرا بھی دل بہلا رہے۔“

وہ اپنی بیٹی کے اصرار کے آگے کانکا رنڈ کر سکے۔ یوں انہوں نے دفتر جانا چھوڑ دیا۔ اب پوری بڑ ورنہ نزلہ جگ ابھنی کا تنہا مالک حبیب تھا۔ مگر وہ اب تک اپنے کام میں لین دین کے معاملے میں کھرا اور سچا رہا۔ کبھی اس کے دل میں کوئی بے ایمانی نہ

آئی۔ اس نے اپنی زندگی کو مکمل سمجھ کر کچھا اور سوچنا ہی
چھوڑ دیا تھا۔

دن اپنی مخصوص رفتار سے گزرتے رہے۔

حبیب اور مریم زندگی کے دنوں کو خوش گوار طر طریقے سے

گزار رہے تھے تاہم ان کے درمیان ابھی تک وہ تیسرا فرزند آیا تھا

جس کی قلقلہ ریاں سننے کو دونوں بے چین تھے۔ ڈاکٹروں نے بتایا

کہ دونوں کی رپورٹیں نا مل ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی

خامی نہیں جو اولاد نہ ہونے کا سبب بن سکے۔ بس اس میں خدا

کی رضا شامل نہیں تھی۔ وہ کب مریم کی گودہری کرتا؟ یہ

کسی کو پتہ نہ تھی۔

اسی خبر کے انتقال میں دو برس اور گزر گئے۔ مگر وہ اپنے

گھرانے میں اضافہ کیے بغیر کسی خوشی زندگی گزارتے رہے۔ نہ

توان کے درمیان اولاد کے منصوبے پر کوئی جھگڑا ہوا نہ بحث۔

حبیب احسان فراموش نہ تھا۔ اس پر دونوں کی کرم نوازیاں حیاں

تھیں۔ مریم کو حبیب پر اعتبار تھا۔ اسے یہ ظاہر کوئی خوف نہیں

تھا۔

زندگی کی گاڑی یوں ہی چلتی رہی۔

اچانک زندگی کی گاڑی ایک مرتبہ لڑکھڑائی سمیٹھ جہا رہو

تندرست ہوا۔ اتنے موت کا ڈنکا رینگے۔ یہ ظاہر انہیں کوئی

پتہ نہ تھا تھی مگر موت کسی بیماری کا ہمارا نہ کب مانتی ہے؟

وہ ایک دن ناشتے کی میز پر ٹھیک ٹھاک طریقے سے بیٹھے چائے

کی چٹکیاں لے رہے تھے کہ اچانک ان کی گردن ایک سمت

لڑھک گئی۔ موت نے ان کے ہاتھ سے چائے کا کپ گرا دیا۔

مر جوچکن میں کھڑی برتن سمیٹ رہی تھی کپ گرنے کی

آواز سن کے دوڑی ہوئی آئی یہاں کا منظر تبدیلی تھا اور سمیٹھ جہا رہ

اپنے جسم کے بچرے سے روح آزاد کر چکے تھے۔ وہ بہت روٹی

ٹھینچا پانی اور حبیب اپنے ہاتھوں سے ان کی قبر پر ضحیاں بھر کر

مٹی ڈال آیا۔ یہ کہانی بھی پرانی ہو گئی۔

نئی کہانی کا آغاز پھر اس وقت ہوا جب حبیب اپنے فخر میں

بیٹھنا کسی پارٹی سے بات کر رہا تھا۔ ان دنوں سر کی شروعات

تھیں۔ ایک پارٹی چائے کا نیا براڈ مارکیٹ میں لایا جا رہی تھی۔

تشریح کے لیے انہوں نے ویکم ایڈورٹائزنگ کا سہارا لیا کہ ان

دنوں کا بہت شہر تھا چائے کے کافی رات تیار ہونے کے بعد اس

کا ڈیزائن ورڈنگر معاملات بھی نمٹا لیے گئے۔ یہ کمپنیں پہلے

مختلف رسائل میں شروع کی گئی بعد میں پارٹی نے اسے ٹی وی پر

لانے کے لیے بھی رضامندی ظاہر کر دی۔ اس کا اسکرپٹ تو پہلے

ہی تیار تھا صرف ماڈلنگ کے لیے نئے اور خوبصورت چہرے کی

ضرورت تھی۔ اس کے لیے مختلف آرٹسٹوں کے نام زیر غور آئے مگر

پارٹی کا خیال تھا کہ کچھ بھی ہو چہرہ ہونا چاہیے۔ چنانچہ

پارٹی کی خواہش پر وہ کسی نئے چہرے کی تلاش میں مصروف

ہو گئے۔

ایک دن حبیب رات میں آفس سے نکل کر گھر کی طرف آ رہا

لیا۔

تمام راستے میں قدرے سنان چلے پراس نے ایک لڑکی کو سنان
بورڈ کے پاس کھڑے دیکھا۔ وہ لڑکی کا قاعدہ فلٹ کے انداز میں
اسے رک جانے کا اشارہ کر رہی تھی۔
جبیب کے لیے لڑکیاں ابھی کوئی انہونی چیز نہیں رہی
تھیں۔ خود اس کی اشتہاری بجنی میں ایک سے بڑھ کر ایک
حسین لڑکی تھی مگر اس کی بیوی بھی کسی سے کم نہ تھی۔
یوں بھی اسے بیوی سے اتنی محبت تھی کہ وہ کسی لڑکی کے
متعلق سوچنا بھی پسند نہ کرتا۔
کام کرتے ہیں؟“

”ایک اشتہاری ابجنی میں.....!“ اس نے مختصر جواب دیا۔
جلدی جبیب کو یہ احساس بھی ہو گیا کہ لڑکی ہر طرف
کی اچھی ہے بلکہ آواز میں بھی بلا کا نرم ہے۔
”اوہ! ایڈورننگ ابجنی!“ وہ خوشی سے بولی۔ ”کیا آپ
مجھے ماڈلنگ میں ایک چانس دے سکتے ہیں؟“
”اوہ.....!“ جیسا سے کچھ یاد آ گیا ہو۔ اس نے جلدی سے کہا۔
”ہاں ہاں کیوں نہیں۔ یوں بھی ان دنوں ہمیں نئے چہروں کی
ضرورت ہے۔ ایک نئی لڑکی چائے کا اشتہار بنانے کے لیے ہمیں کسی
خوبصورت چہرے کی ضرورت بھی تھی۔“

”تو کیا میں آپ کی نظر میں خوبصورت نہیں۔“ اس نے انتہائی
اعتماد سے جواب دیا۔

جبیب حیران سا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ ”ہاں کیوں
نہیں آپ خوبصورت بھی ہیں اور قابل پر بھی لکھی بھی؟“

تھا کہ راستے میں قدرے سنان چلے پراس نے ایک لڑکی کو سنان
بورڈ کے پاس کھڑے دیکھا۔ وہ لڑکی کا قاعدہ فلٹ کے انداز میں
اسے رک جانے کا اشارہ کر رہی تھی۔
جبیب کے لیے لڑکیاں ابھی کوئی انہونی چیز نہیں رہی
تھیں۔ خود اس کی اشتہاری بجنی میں ایک سے بڑھ کر ایک
حسین لڑکی تھی مگر اس کی بیوی بھی کسی سے کم نہ تھی۔
یوں بھی اسے بیوی سے اتنی محبت تھی کہ وہ کسی لڑکی کے
متعلق سوچنا بھی پسند نہ کرتا۔

رات کے اس لمحے میں اس لڑکی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں اس
کے پیر خود بخود بیک کی طرف اٹھ گئے۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا
کہ اس تاریکی میں ممکن ہے کہ وہ کسی غلط گاڑی میں بیٹھ کر
تباہ ہو رہا ہو جائے۔ صرف اس کی جاہی کا احساس نے اسے رک
جانے پر مجبور کر دیا۔

گاڑی کے رکتے ہی وہ لڑکی دروازہ کھول کر یوں بیٹھ گئی
یسے وہ اپنی ذاتی کار میں سوار ہو رہی ہو۔
اس کے لہجے میں بلا کا اعتماد تھا۔ ”اچھی مجھے ذرا سوک
سینٹر تک جانا ہے۔“

زبان سے جبیب نے انداز لگا لیا کہ وہ اردو بولنے والے گھرانے
سے تعلق رکھتی ہے ورنہ کھل دیکھ کر اسے گمان گزرا تھا کہ وہ
کشمیری ہے۔ سرخ و سفید رنگ سیاہ آنکھیں اور ہلکے سنہری
مگر ریٹیم جیسے بال اس نے صرف ایک نظر میں اس کا پورا جائزہ لے

تمام دن کا چپکنے والا سورج جب شام کو تھک کر دریا سے
ڈوبنے لگا تو وہ اپنے مخصوص پرفیوم کی مہک لیے اندر داخل
ہوئی۔

مجیب نے نظر اٹھا کر پبلے وال کلاک کو پچرا سے دیکھا۔
"اچھا کیا آپ وقت سے پہلے آ گئیں۔ مجھے اب تو آپ ہی کا
انتظار تھا۔"

وہ خاموشی سے مجیب کے سامنے بیٹھ گئی۔ مجیب نے پھر
سے اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ رات وہ اس کے متعلق صحیح
اندازہ نہ لگا سکا تھا۔ اب نظر پڑا تو وہ دل تمام کر رہ گیا۔ وہ سترہ
سالہ نوخیز کچی تھی۔ دراز قد، اسٹارٹ اور جوانی کی بھرپور
کشش اس کی رنگت سرخ و سفید تھی۔ یا تو قی و مہنوں پر خفیف
سی دل موہ لینے والی مسکراہٹ تھی۔ اس نے جلدی اپنے رات کے
فینیلے پیرزمیم کی۔ وہ نہ صرف حسین تھی بلکہ حسین و جمیل
تھی۔ اس نے میک اپ سے گریز کیا تھا۔ قدرتی حسن ہی ایسا تھا
کہ اسے مزید کسی شے کی ضرورت نہ تھی وہ فنی تو مجیب نے
اس کے موتیوں جیسے دانت بھی دیکھ لیے۔

اس نے اسی وقت اپنی جائے والی پارٹی کونوں کر کے بلوایا کہ
میں نے ایک چہرے کا بندوبست کر دیا ہے۔ پارٹی ایک گھنٹے میں
اس کے آفس بلیف گئی۔ مجیب نے جس چیز کو پسند کیا تھا
اسے تو کوئی بھی محفل و دانش اور صاحب بصارت رو نہیں کر
سکتا تھا۔ وہی ہوا پارٹی نے اسے ایک نظر دیکھا اور اسے کھڑا کر دیا۔

"جی ہاں میں نے اسی سال انٹر کا امتحان دیا ہے مگر یہ کتنا میں
میرے لیے کوئی بہت بڑا معیار نہیں۔ آپ مجھ سے دنیا کے ہر
موضوع پر بات کر سکتے ہیں۔"

"مثلاً.....!" مجیب نے اسے ایسے ہی کر دیا۔

"مثلاً....." سولینی کے مظالم سے پکا سوکے پوڑیٹ تک اور
دربار کا کبری سے دربار.....!"

مجیب نے اس کی بات کو مکمل نہیں ہونے دیا۔ "میں اس.....
مجھے یقین آ گیا۔" اور اسی یقین کے ساتھ اس کے سناڑے والے مقام
بھی آ گیا۔ سترے ہوئے اس نے مجیب سے اس کا وزینگ کارڈ مانگا
اور اسے پرس میں رکھ لیا۔ وہ لیے لیے ڈگ بھرتی ہوئی گلشن
اقبال کی طرف نکل گئی۔

مجیب اس کو نظروں سے اوجھل ہونے تک دیکھتا رہا جب وہ
اس کی لگا ہوں کے سامنے سے دھند لا گئی۔ تب اسے ہوش آیا۔ اس
نے گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ تمام راستے اس کی براہروالی نشست
سے اس کے کپڑوں سے اٹلنے والے پرفیوم کی خوشبو آتی رہی۔ وہ
اس خوشبو میں چھوٹا ہوا گھر آ گیا۔

اس رات نہ جانے کیوں مجیب کو عجیب سی بے چینی رہی
مریم نے اس سے اس کے چہرے پر پھیلنے والی انجانی خوشی کی
وجہ پوچھی بھی مگر وہ ال گیا۔

اگلے روز وہ دفتر پہنچا تو اسے رات والی لڑکی کا انتظار تھا۔
اس کا انتظار اریگیا نہیں گیا۔

مجیب کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ اب جو دوسرے لوگ اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے، تھک کر خاموش ہو گئے۔

مجیب رفتہ رفتہ اسے کمرشل دیتا رہا مگر اس طرح کداس کی شہرت بھی رہے اور عزت بھی۔ سائرہ اس کی حکمت عملی سے بے حد مطمئن تھی۔ مجیب اب اس کے لیے ایشیا میں خصوصی راہیں کھولنے لگا۔

جلدی مجیب کو احساس ہو گیا کہ وہ سائرہ کی دلفنوں کا اسیر ہو گیا ہے۔ سائرہ بھی اس کی محبت کا دم بھرنے لگی۔ اب مجیب زیادہ تر وقت دفتر میں سائرہ کے ساتھ گزارتا۔ وہ صبح ہی سے دفتر آ جاتی اور پھر دوپہر کے کھانے سے رات کے ڈرنک اس کے ساتھ رہتی۔ دفتری معاملات اپنی جگہ مگر مجیب اس کی ذات میں بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔ اس نے کبھی سائرہ کی ذاتی زندگی میں داخل ہونے کی کوشش نہیں کی۔ صرف اسے اتنا پتا تھا کہ اس کی ماں ایئر ہوسٹس ہے۔ باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ مگر میں زانا نہ حول ہے۔ کسی قسم کی معاشی فکر نہیں۔ ماں سے بھی اس کے تعلقات زیادہ خوشگوار نہیں۔ بس واجبی سی تعلق داری ہے اور بس!

مجیب نے اپنی زندگی کے قریب ہر اڑبھی اس سے نہیں چھپائے۔ اس نے سائرہ کو بتا دیا کہ وہ شادی شدہ ہے مگر یہ شادی اس نے سینٹھ جبار کا احسان اتارنے کے لیے کی تھی ورنہ اسے مریم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ یہ بات کہتے ہوئے اس کا یہ مفاد

مجیب نے فوراً آؤٹ ڈور شوٹنگ کے لیے تیار سنبھلیتے ہیں اور کام میں مصروف ہو گیا۔

چند دنوں کی محنت کے بعد جب ایشیا رٹنی وی پر چلا تو دھوم مچ گئی۔ نہ صرف چائے کی قبولیت میں بے پناہ اضافہ ہوا بلکہ اس لڑکی کے لیے بھی ڈیمانڈ آئے لگیں۔

مجیب نے جب دیکھا کہ اسے دوسری ایجنسیاں اپنی طرف کھینچنے لگی ہیں تو اس نے کہا۔ ”دیکھو سائرہ! یہ ایشیا رٹنی وی ہے اور شعلے کی طرح بجھ جاتی ہے۔ تیز دوڑو گی تو تھک جاؤ گی۔“ وہ کچھ گھٹی اور کچھ نہیں۔

مجیب نے اسے آسان لفظوں میں بتانا شروع کیا۔ ”بات صرف یہ ہے کہ انسان کو ایسا کام کرنا چاہیے کہ اس کی طلب ہمیشہ رہے۔ اس وقت سارا زمانہ تمہارے پیچھے ہے۔ ہر کوئی چاہتا ہے کہ اس کا کمرشل کم کرو یہ وقت تو تمہیں اس اعتبار سے بڑا سہانا نظر آئے گا کہ تم تمام وقت اسکرین پر رہو مگر ایسا کرنے والے جلد ہی اپنی اہمیت کھو دیتے ہیں۔ بہتری اسی میں ہے کہ تم صرف میرے کہنے پر کمرشل سائن کرو۔ میں تمہیں اس رنگ برنگ دنیا میں لایا ہوں میں ہی تمہارا بہتر استعمال چاہتا ہوں۔ اگر میرے مشوروں پر چلو گی تو ہمیشہ اس فیلڈ میں جھگرتی رہو گی۔“

وہ کسن تھی اور مستقل شہرت کی شوقین بھی اس لیے

پہلے جیسا نہیں رہا۔

ایک دن وہ اس سے پوچھنے لگی ”آپ کا لہجہ پہلے والا کیوں نہیں رہا؟ وہ بیزاروہ محبت اچھے آپ کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔“

وہ اسے کبھی غصے اور کبھی مصروفی سے ہٹاتا مگر یہ بات ملنے والی تو تھی۔ سازوہ ہر روز اس کے دفتر آتی رہی اور داستان محبت آگے بڑھتی رہی۔

مریم نے ایک مرتبہ اس فون کیا تو معلوم ہوا کہ اس سازوہ کے ہمراہ لہجہ پر گئے ہیں۔ پھر وہ تقریباً روزانہ فون کرنے لگی تب وہ جان گئی کہ اس بیکار کی دیوار کے پرے کوئی سازوہ نامی لڑکی ہے۔ مریم حلیم طبیعت اور شریقی بیویوں میں سے تھی۔ اتنا کچھ جاننے کے بعد بھی وہ کچھ نہ بولی۔ وہ جانتی تھی کہ مراد اپنی غلطی عمر بھر چھپاتا رہتا ہے اور جب کبھی اچانک اس کی غلطی پر انگلی رکھ دی جائے تو وہ آگ بن کر برس پڑتا ہے۔ اسے غصہ غلطی کرنے والے معاملے پر نہیں ہوتا وہ تو اس بات پر برہم ہوتا ہے کہ اس کا راز آشکارا کیوں ہوا؟

مریم نے اس سے کبھی کچھ نہ پوچھا۔ اس نے مجیب سے دوبارہ کوئی شکوہ نہ کیا۔ بس چپ چاپ اس کے معمولات پر اندر رہی۔ اندر کڑھتی رہی۔

دوسری طرف معاملہ اب سنگین ہونے لگا۔ سازوہ نے اسے کہا تھا کہ وہ اب بھی کم عمر ہے جب کہ شادی میں اسے مزید دو چار

پوشیدہ تھا کہ جب کبھی وہ اس کی طرف شادی کی پیشکش کرے اسی وقت ظاہر ہو جائے کہ مجیب اپنی پہلی بیوی سے محبت نہیں کرتا وہ محض احسان مندی کا بوجھ ہے اور بوجھ کسی بھی وقت اتار پھینکا جاسکتا ہے۔

سازوہ اس کی شادی کا سن کر پہلے تو پریشان ہو گئی مگر مجیب نے اسے چند اور دلیلیں دے کر مطمئن کر دیا۔ مجیب کے لیے یہ پہلی لڑکی تھی ببول کے راستے اس کی زندگی میں آئی تھی۔ انسان لاکھ خود کو پا رسا کہنے پر بیزار کر سکتے شادی کے بعد بھی اس کے پاس بہک جانے کا پاس رہتا ہے۔ مجیب بہک رہا تھا مگر اس غلطی کا اسے احساس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ سازوہ کو اپنی ضرورت سمجھنے لگا تھا۔

اب جب وہ گھر میں داخل ہوتا تو مریم پوچھتی ”آج کیوں اتنی دیر لگ دی؟ میں تو آپ کے انتظار میں بیوی رہ گئی۔ جانتے بھی ہیں کہ میں آپ کے بغیر کھانا نہیں کھاتی مگر پھر بھی۔“

مجیب اسے روکھے سے لہجے میں جواب دیتا ”مجھے تم سے میں نے ہزار مرتبہ کہا ہے کہ میرا انتظار مت کیا کرو۔ کھانا لیا کرو کھانا! میرا کام ایسا ہی ہے کبھی کہاں کبھی کہاں۔ اور اب یہ چونچلے بھی چھوڑ دو۔ نئی ٹوبلی لہوں کا بیٹھے گلتے ہیں ایسے کما۔ اب تم اس دور سے گزر رہی ہو۔“

مریم کو نہ جانے کیوں یہ احساس ہونے لگا تھا کہ مجیب اب

ایک لمحے کے لیے مجیب خاموش ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا۔ کیا احسان فراموشی کر دی جائے؟“

اس کے ضمیر نے کہا ”کسی کی آستین کے سانپ نہ بنو۔ مریم تمہاری بیوی ہے تم سے بچا کرتی ہے۔ وہ تباہِ اصدہ کیسے بے برداشت کر گئی؟“

نگر انسان وقت پر ضمیر کی آواز نہیں سنتا۔ اسے صرف وہی دکھائی دیتا ہے جو وہ دیکھنا چاہتا ہے۔ اسے وہی سمجھائی دیتا ہے جو اس کے سن میں ہوتا ہے۔ محبت کے اس نشے نے مجیب کو پاگل کر دیا تھا۔ اس نے دل میں سوچا کہ محبت کے نام پر احسان فراموشی کوئی جرم نہیں۔ محبت تو ازل سے قربانی مانگتی آئی ہے۔ اب اگر مجھے اپنی محبت کے سمندر تک پہنچنے کے لیے راستے میں کھڑی ریت کی دیوار کو گراما ہے تو مجھے اس دیوار کو مسمار کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

اس شام جب وہ واپس آیا تو اس کا اچھو کچھ اور تلخ ہو چکا تھا۔

مریم تو اس کو بہت دنوں سے سن رہی تھی۔ محسوس کر رہی تھی جیسے اب کچھ ہوئے والا ہے۔ ایک انجانے خوف نے اسے بہت پہلے ہی بیدار کرنا شروع کر دیا تھا۔ اب وہ مکمل طور پر جاگ چکی تھی مگر وہ مجیب کے دل کا حال نہ جانتی تھی۔ اسے ایک خطرہ ضرور تھا کہ مجیب کسی دوسری عورت میں دلچسپی لینے لگا ہے مگر وہ کون ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ اسے کچھ خبر نہ تھی۔

سالوں کی ضرورت ہے یوں بھی اشتہاری دنیا کو چھوڑنے کا دل کہاں چاہتا تھا۔

مجیب نے اسے بڑے صافصاف انداز میں سمجھاتے ہوئے کہا ”دیکھو سائز والو جی جوان ہوتی ہے تو خبر ہی نہیں ہوتی اور جب اس کی عمر فطرتی گنتی ہے تب بھی اسے ذرا احساس نہیں ہوتا۔ شادی کے لیے اصل عروت ہی ہوتی ہے۔ پھر ہا کرشل کا مسئلہ تو تم مطہین رہو۔ میں جب تک زندہ ہوں تم اسکرین سے آؤٹ نہیں ہوگی۔“

یہ سن کر سائزہ مطہین ہو گئی۔ ”مگر تمہاری پہلی بیوی ہے“ اس نے تشویش کے سے انداز میں پوچھا۔

”وہ تمہارے لیے بالکل بے ضرر ہے“ مجیب نے اسے مطہین کرنے کے لیے کہا۔

”نہیں مجیب! بچھو کیسا بھی ہو خطرناک ہوتا ہے۔ سانپ کا زہر نکال بھی دو تب بھی اس کا اپنا خوف اپنی ایک دہشت ہوتی ہے۔ میں کسی خوف اور دہشت کی موجودگی میں تمہارے ساتھ نہ رہ سکوں گی؟“

مجیب سوچ میں پڑ گیا ”پھر.....؟“

اس سے شکستہ سی آواز میں سائزہ نے کہا۔

”میں چاہتی ہوں پہلے تم اس کا معاملہ ختم کرو۔ جب تک تم اسے طلاق نہیں دے لیتے میں تمہاری طرف آنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔“

مریم سے یہ سب کچھ مرہ داشت نہ ہوا۔ عجیب کا لہجہ
گستاخانہ ہو گیا تھا۔

”آپ مجھے بوجھ چاہیں کہ میں مگر خدا کے لیے میرے
ڈیڑی کو کچھ نہ کہیں۔ انہوں نے مجھے صرف اس لیے آپ کے
حوالے کیا کہ انہیں آپ پر اعتبار تھا۔ انہیں ذرا بھی شبہ ہوتا کہ
آپ بھی انسانوں کی اس قسم سے تعلق رکھتے ہیں تو شاید وہ
مجھے آپ کے ساتھ بنائے کے بارے میں ایک بار سوچے ضرور!“
”ہاں ہاں وہ تو چنڈ کا چوہہ ہی تھا! مجھ جیسا لڑکا اسے
کہیں نہ ملتا،“ عجیب اس کے سامنے آ گیا۔ باقی ہومیری مرکیا
ہے؟ میں تم سے دو سال چھوٹا ہوں اور مرد ہمیشہ اپنے آپ سے دس
سال چھوٹی لڑکی سے شادی کرنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ میں نہ
جانے کن باتوں میں آ کر تمہارے بوڑھے جذبات کے سر قحط دیا
گیا۔ آج کوئی جوان لڑکی تو مجھے میرا بازو تو فرما کر ہی لے۔

تم تو ایک چڑیا کا بچہ بھی پیدا نہیں کر سکتی ہو۔“

مریم کیوں لگا جیسے اس کے پاؤں سے کسی نے دھین
کھینچی ہو۔ وہ گرتے گرتے پہنچی، ”اگر آپ کو ابھی تک یہ دکھ ہے
کہ میں آپ کے معیار کی نہیں تو میں آپ کو اجازت دیتی ہوں
جسے چاہے اس گھر میں لے آئیں۔ میں کبھی انکار نہ کروں گی۔
اولاد دینے والا اللہ ہے۔ میرے ہاتھ میں ہوتا تو آج مجھے یہ طعنہ
سننے کو نہ ملتا۔ میں بچہ نہیں ہوں۔ صرف خدا کی طرف سے!“
عجیب نے اس کا ہلکا سا مکمل ہونے کا انتظار نہیں کیا۔ ”تم

پورا دن جب اسے گھر کی تنہائیاں ڈتی رہیں جب اس کا بچہ
چاہتا، کاش اس کا شوہر اس کا ہم سفر و گھڑی رک رک اس سے
اس کا حال ہی پوچھ لے۔ صرف یہی جان لے کے کہ وہ تمام دن اس
کے انتظار میں بیٹھ رہتی ہے۔ مریم جب تمام وقت ان باتوں
میں الجھی رہتی ہے اسے خیال آتا۔ وہ دل سوچتی کہ آج
عجیب آئے گا تو وہ ضرور اس سے شکوہ کرے گی۔ حال کرے گی
اپنی تنہائیوں کا منہ دے رہا ہے۔ اپنے دکھوں میں شریک کرے
گی مگر جب وہ سامنے آتا تو وہ سب کچھ بھول جاتی۔ اس کی
ہمت ہی نہ پڑتی کہ وہ اس سے اس کی مصروفیات کے متعلق کچھ
دریافت کر سکے۔

ایک دن اس نے ہمت کر کے پوچھ ہی لیا۔

وہ پھر کہ اس پر چیخا، ”تمہیں یہ حق کس نے دیا ہے کہ میرے
معمولات میں دخل اندازی کرو۔“

وہ عجیب کی آواز سن کر کہہ گئی۔ اس نے خاموش رہنے میں
ہی عافیت جانی مگر وہ خاموش نہ رہا۔

”میں جانتا تھا کہ ایک نایک دن ایسا ہوگا۔ تمہارے باپ نے ہ
جانے کیوں تمہیں میرے پلے بانہ دیا۔ بڑی عمر کی عورتیں ہمیشہ
شوہروں پر شک کرتی ہیں۔ اگر تمہارے باپ کے مجھ پر احسانات
نہ ہوتے تو میں کبھی تم سے شادی نہ کرتا۔ مجھے کیا خبر تھی کہ
وہ مجھے کسی قربانی کے بغیر کی طرح پال رہا ہے۔ ایک دن اپنی
ہی چھری کے نیچے آئے گا۔“

چھوڑ دینے کے لیے اس کے پاس ابھی کوئی معتقل جواز نہ تھا اور اسے کسی بھی جواز کے پیدا ہونے تک انتظار کرنا تھا۔

دوسری طرف سائزہ کے کمرشل زوروں پر چل رہے تھے۔ اس نے مجیب سے دو دو کالٹاؤں میں کہہ دیا تھا کہ تہہ باری زندگی میں داخل ہونے سے قبل میں تہہ باری پہلی بیوی کی علیحدگی چاہوں گی۔ اس سے قبل تم مجھے حاصل کرنے کی خواہش کرو گے تو محض خواب دیکھو گے۔

مجبیب سمجھ رہا تھا کہ کیا کہنا چاہ رہی ہے وہ اس کی محبت میں پاگل ہو گیا تھا۔ اس پاگل پن میں ایک دن اس کے ہاتھ ایک جواز آ ہی گیا۔

وہ اپنے دفتر سے اس رز جلد لوٹ آیا تھا۔ ابھی اس نے گھر میں قدم رکھا ہی تھا کہ اسے کسی کے ہاتھ میں کرنے کی آواز آئی۔ وہ تیزی سے کمرے میں داخل ہوا۔ اندر مریم کا کزن احسان بیٹھا ہوا تھا۔ احسان اس سے قبل بھی اس کی موجودگی اور غیر موجودگی میں آ رہا تھا مگر آج تو اس کے دماغ میں شناسا پایا ہوا تھا۔ وہ آتے ہی غصے میں پاگل ہو گیا۔ احسان کچھ نہ سمجھتے ہوئے چپ چاپ گھر سے نکل گیا۔

جب مریم اکیلی رہ گئی تب وہ اس پر پھٹ پڑا۔ ”میں سمجھتا تھا میرے پیچھے تم میرا انتظار کرتی رہو گی مگر آج معلوم ہوا کہ تم نے وقت گزاری کے لیے راستہ دیکھ لیا ہے۔“ اس نے مریم پر الزام لگایا اور وہ اس کے پیروں میں گر گئی۔

کون ہوتی ہو یہ فیصلہ کرنے والی کہ میں اس گھر میں کوئی دوسری لادیں یا تیسری۔ اور یہ بات بھی کان کھول کر سن لو۔ میں چاہوں تمہیں اپنی زندگی سے نکال سکتا ہوں۔ یہ اختیار مرد کے پاس ہے کہ لائے اور کسے رکھے۔“

مریم صدمے سے بڑھ چلا ہو گئی وہ جانتی تھی اس تعاقب کے پیچھے ضرور کوئی دوسری عورت ہے۔

پہلی عورت اس وقت تک بے عیب نظر آتی ہے جب تک زندگی میں کوئی دوسری عورت داخل نہ ہو جائے۔ دوسری عورت کے آتے ہی پہلی کی خامیاں نظر آتی ہیں۔ اس کی برائیاں تلاش کی جاتی ہیں۔ مجیب بھی وہی کر رہا تھا۔ اس کی خامیاں بتا رہا تھا اور دل میں سائزہ کی خوبیاں گن رہا تھا۔ مریم عورت تھی اس کے اپنے جذبات تھے احسان سے تھے۔ مجیب نے آج جس انداز سے اس کی توہین کی تھی اس پر اس کا پورا وجود ماتم کناں تھا۔

اس کا انگ انگ گھاس ہو گیا تھا۔ اسنے زخم تو اس نے کبھی نہ کھائے تھے اب پناہ گاہ بھی اس کے پاس کوئی بقیہ نہ صرف اس چھت کا ہی آسرا تھا اور چھت کے آسے ہی نے اسے موش کمر دیا۔ وہ بظری طور پر صلح ہوا ورا من پسند تھی۔ اسے گھر ملو نا چاہتوں سے ہمیشہ ہی خوف آتا تھا مگر آج وقت نے اسے ایسے دورا ہے پر اکھڑا کیا تھا کہ جن چیزوں سے اس نے نفرت کی تھی وہیں چیزیں اس کے سامنے آ رہی تھیں۔

مجبیب جتنا جھگڑا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مریم کو

کروں گا تو یہ تیری بھول تھی۔ میں تجھے آج زندگی سے نکال رہا ہوں۔ جا حرام زادی! میں نے تجھے طلاق دی۔

وہ عجیب کے قدموں سے لپٹ گئی۔ ”خدا کے واسطے“ عجیب نے ایک جھٹکے سے اچھا پیر چھڑایا۔ ”میں نے تجھے طلاق دی۔“

وہ نیم جان ہو گئی۔ عجیب نے دیکھا وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔ جب مریم کو ہوش آیا تو سب کچھ بدل چکا تھا۔ وکیل اس کی جانیدار سے متعلق ضروری کارروائی کر چکے تھے۔ عجیب نے صرف ابھنسی کے کا کاؤنٹس سے اتنے روپے لکوائے تھے جتنے اس نے مریم کے چلے جانے کے بعد وہاں سے کمائے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے ابھنسی کے کاندھات میں کوئی سہیلی نہ کروائی یا شاید وہ تنہا بی کر رہا ہو گیا تھا۔ ابھنسی شروع دن سے مریم جبار کے نام کھنکھائی مٹی تھی اور اب تنہا ہی کے ماتھی۔

عجیب نے طلاق اور روپوں کے لین دین کے بعد وہ گھر چھوڑ دیا تھا۔ اس کی راہ کا کٹاؤ خراب کر لیا گیا تھا۔ اس نے فوراً ساڑھ کوٹھیل کیا اور شادی کی آفر کر دی۔ اس نے اپنے اطمینان کے لیے مریم کی طلاق کی تصدیق کی۔ تب اس نے عجیب احمد سے نکاح پڑھوایا۔ مگر نہایت خاموشی کے ساتھ۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی شادی کی خبر اس کے ماؤنٹ کی ریپر پرائڈ ادا ہوگی۔ نکاح کے بعد عجیب بے حد سروس نظر آ رہا تھا۔ اسے لگتا تھا جیسے پوری کائنات اس کے ہاتھ آ گئی ہو۔

”خدا کے واسطے مجھ پر شک نہ کریں۔ میں پاک دامن ہوں اور ہمیشہ رہوں گی۔ میں آپ کی غلام ہوں ساری زندگی آپ ہی کی رہوں گی مگر خدا کے واسطے اس کے رسول کے واسطے میری ذات پر بہتان نہ لگائیں۔ میں.....!“

اس کے ہاتھ جواز آ گیا تھا۔ اس نے نفرت سے کہا۔ ”بکواس بند کر کہنی عورت“ کیا تو سمجھتی ہے کہ میں تیری دولت کے لیے تیرا مرغل برفل برداشت کرتا رہوں گا۔ یہ تیری بھول ہے۔ آج تو نے میرے عطا کو کھٹیں پہنچائی.....!“

وہ سچ میں ہی چیخ اٹھی۔ ”آپ میری بات تو سنیں۔ احسان میرا خالص زاد ہے وہ شادی شدہ ہے۔ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتی ہوں کہ وہ کھوئی نیت کا مالک نہیں۔ وہ مجھے بہن سمجھتا ہے۔ وہ چھپ کر مجھ سے ملنے نہیں آتا۔ اس سے پہلے بھی آپ کی موجودگی اور غیر موجودگی میں آتا رہا ہے۔ آپ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں نے آپ سے کبھی نہیں چھپایا۔ میرا دل صاف ہے۔ میں نے آپ کو کبھی دھوکا نہیں دیا۔ کبھی بے ایمانی نہیں کی۔“

عجیب کے لیے اب اس کی کوئی بات اطمینان طلب نہیں رہی تھی۔ وہ جلد میں اس کی پاکیزگی کا اعتراف کر رہا تھا مگر زبان سے کہہ رہا تھا۔ ”میں اب تیری دولت کے چھانے میں نہیں آؤں گا۔ شاید تو سمجھتی ہے کہ میں تیری یاد و ناز و رنگ ابھنسی سے عمر بھر کھاتا رہوں گا اور تیری ہر جائز و ناجائز بات برداشت

شے چھوڑ دے۔ محبت قربانیاں مانگتی ہے، بے وقوفیاں نہیں۔ مجھے کیا پتا تھا کہ تم اس قدر احمق نکلو گے اور چچی بات تو یہ ہے کہ میری ساری دلچسپی تمہاری اشتہاری ایجنسی میں تھی۔ ورنہ تم جیسے لوگ تو مجھے صبراء بہتر سے مل جاتے۔ کنوارے، خوش شکل اور پیسے والے میرے پیچھے آج بھی پھرتے ہیں۔ پھر تم میں اور ان میں فرق ہی کیا رہ گیا۔“

مجیب احمد ساکت رہ گیا وہ بدستور بولے جارہی تھی۔ اس کی زبان کسی قہقہے کی مانند چل رہی تھی۔
 ”میں نے بھی کتنا بڑا فیصلہ ایک لمحے میں کر لیا۔ مگر میں نے اب بھی کچھ نہیں گمنوایا۔ میری شادی کے مسئلہ بہت کم لوگوں کو طلاع ہے۔ میں جاری ہوں۔ ایک ایسا شخص جو بے قوف ہو میرا جیون ساتھی کبھی نہیں ہو سکتا۔“ ساڑھ چار بجے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔
 ”دنگر.....!“ مجیب اس کے سامنے آ گیا۔

”مجیب! میرے راستے میں نہ آ۔ میں یہاں سے اپنی شادی کا خراج دے کر لوٹ چکا ہوں۔ جب تک میں کنواری رہوں گی! اسکرین میری منتظر رہے گی اور میں اپنی ڈیوڑھی کی سلامتی کے ساتھ یہاں سے جانا چاہتی ہوں۔“
 مجیب احمد کی آنکھوں شعلے اگلنے لگیں۔ ”کینی عورت! تو نے مجھے برا دیکھا۔ میرے گھر کو برا دیکھا۔ میں تجھے جانے دوں گا؟“ وہ بھی اس کے سامنے دیا رہ کر کھڑا ہو گیا۔

سباغ کی پہلی رات جب وہ چوہلوں کی سرخ سج رپ آیا تو وہ ساڑھ کو کچھ کر دنگ رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس قدر حسین اور کم عمر لڑکی اس کی بیوی بن جائے گی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ساڑھ کا چہرہ دھوپا اٹھایا۔
 ”سنو.....! جانتی ہو تمہیں حاصل کرنے کے لیے مجھے کتنی لگ بھگ دو دو کرنا پڑی؟“
 وہ رعبت سے اسے دیکھتی رہی۔

”میں نے پہلے اپنی چاہنے والی بیوی کو چھوڑا۔ مگر ہماری محبت ابھی اور قربانیاں مانگ رہی تھی۔ پھر میں نے وہ گھر چھوڑا اور پھر سب سے بڑی بات میں نے وہ اشتہاری ایجنسی اور اپنی بیوی کی تمام جائیداد بھی چھوڑ دی۔ صرف تمہاری چاہ میں.....!“
 وہ مجیب کی بات سن کر چونک اٹھی۔ ”ایجنسی اب تمہاری نہیں رہی“ اس نے اس انداز سے کہا کہ مجیب بھی لرز گیا۔
 ”ہاں مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ میں اس کی کسی بھی شے کو اپنے پاس رکھوں۔“

ساڑھ اپنی سچ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کا انداز بتا رہا تھا جیسے وہ دلہن نہیں، کوئی بزنس مین ہو جسے اچا تک بتایا گیا ہو کہ تمہارا لاکھوں کا مال کچڑا گیا ہے۔
 ”مجیب احمد! خبر نہیں تھی کہ تم اتنے بے قوف نکلو گے۔ تم نے اپنی قسمت کا دروازہ خود اپنے ہاتھ سے بند کر لیا ہے۔ بیوی کو چھوڑ دینے کا قطعی یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان اس کی ہر

دراصل وہ مجیب احمد میں خود ہوں۔ ہاں یہ میری ذاتی کہانی ہے۔ یہ میری ذاتی ذہنی ہیں۔ میں اب بھی کسی ایک شہر میں نہیں رہتا۔ ادھر ادھر پھرتا رہتا ہوں۔ میرا یہ نام بھی فرضی ہے شاید یہ کیس اب دب کر ختم بھی ہو چکا ہوگا، مگر چونکہ میرے دل میں چور ہے اس لیے سامنے آنے سے گھبراتا ہوں۔ یہ تجربہ صرف اس لیے ایک لکھنے والے کو لکھ کر بڑا رعب ڈاک بھجوا رہا ہوں تاکہ میرے ضمیر پر پڑا گناہوں کا بوجھ کچھ ہلکا ہو سکے۔

میں آج بھی قانون کی نظروں سے روپوش ہوں مگر یہ ضرور سوچتا ہوں کہ وہ لگاؤ جو سب پر نظر رکھتی ہیں ان کا سامنے میں روئے حشر کیسے کروں گا؟ اپنی پہلی بیوی کو میں کیا مند دکھاؤں گا؟ اور سب سے بڑی بات سیٹھ جاسٹل سے احسان فراموشی کے بعد میں روز قیامت ان کا سامنا کیسے کروں گا؟

”میں جاؤں گی اور مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔ اگر تم میرے سامنے آتے تو میں پرانی تعلق داری کا بھی لحاظ نہیں کروں گی۔“ اس کا لہجہ ایسا تھا کہ مجیب احمد سے بدواشت نہ ہو سکا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور میز پر پڑا پھل کاٹنے والا چاقو اٹھا لیا۔ اس سے پہلے کہ وہ اپنا پناؤ کرتی مجیب احمد نے بے درپے اس پر وار کر دیے۔ وہ بڑھ حال ہو کر گر پڑی۔

باہر شاہی کے گیت بج رہے تھے اس لیے اس کی جھپٹیں کوئی نہ سن سکا۔ پھولوں کی بیج اب خون سے سرخ ہو گئی تھی۔ جب اسے دوبارہ ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں میں خون آلود چاقو ہے۔ سامنے سائزہ کی لہریں بناتی ہوئی لاش ہے۔ بس یہ آخری منظر تھا جو اس نے دیکھا اس کے بعد وہ رات کی تاریکی میں فرا رہو گیا۔

دوسرے دن وہ لاہور پہنچ گیا۔ وہاں اس نے اخبارات میں سائزہ کی لاش دیکھی اور خبر پڑھی۔ اس کے بعد وہ پولیس سے چھپتا رہا اور گمنامی کی زندگی میں کئی برس بیت گئے۔

مجیب احمد جیسے بدلتا رہا۔ نام بدلتا رہا، یوں قانون اسے گرفتار نہ کر پایا۔ اسے قدرت نے احسان فراموشی کی بڑی کڑی سزا دی تھی۔

میں نے شروع میں بتایا تھا کہ میں اس واقعہ کا چشم دید گواہ تھا۔ میں یہ ساری باتیں کیسے جانتا ہوں؟ میں اس واقعہ میں چشم دید گواہ کیسے بنا؟ یہ بات بتانا اب بے حضور وری ہو گیا ہے۔